

power.

Apart from the Quranic concept of Jihad, here we have to see only this point that the Quran has divided the followers of other faiths in two categories. First includes those who openly opposed the Muslims out of prejudice, and Second includes those who did not show any practical hostility like the first one. The former were called 'the infidels' while the later were called 'the non-Muslims' in the perspective of Islam and sometimes called 'the Muslims' in their own perspective.

The Quran has mentioned these followers of the later category in a very positive manner. Here we want to present some verses regarding this Quranic approach as an example. We feel that this precise collection of verses might be a beginning of a new Scholasticism (Ilm-ul-kalam) for the discussion with all the world religions, as well as a means of a positive introduction of the Quran to the west. My article is a reflection of such sincere sentiments and it should be seen in this context.

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

کیا غیر مذاہب کے تمام پیروکار باطل پرست ہیں؟ پروفیسر ڈاکٹر محمد کلیل اوج

Abstract

The way Quran has portrayed the Non-Muslims in its time of revelation has contineously been a subject of uderstanding the Quran which is multi dimensional in its vastness. Unfortunately, on a popular level it has been presented purely in a negative way and even more worse is that on the basis of this negative attitude, a wearisome war with the followers of other religions has been triggered. Ironically, by giving a title of "active Jihad" to this useless war, it is regarded as such a necessary requirement of the Quranic values which must be concluded in the form of political power. That is why all the struggle of the religious extremists is mostly focussed on gaining political

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری الہامی کتاب ہے جس کے بعد صحیح قیامت تک اب کوئی الہامی کتاب آنے والی نہیں۔ یہ ہمارے لیے اصولی ہدایات کا آخری سہارا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے جملہ معاملات میں اصولی ہدایات یہیں سے اخذ کرنا ہوں گی۔ سو اسی سہارے پر مذکورہ بالامنوان کے ساتھ کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

قرآن مجید نے اپنے زمانہ نزول میں غیر مذاہب کے ماننے والوں کو جس رنگ میں دیکھا اور لوگوں کو دکھایا ہے۔ وہ قرآن فہمی کا ایک مستقل موضوع ہے اور اپنی وسعتوں کے اعتبار سے ہمہ جہت بھی۔ بد قسمتی سے عمومی سطح پر اس موضوع کو خالصتاً اور کلیتہً منہی المذاہب میں پیش کیا گیا ہے اور اس بنیاد پر غیر مذاہب کے پیروکاروں سے ایک تھکا دینے والی جنگ شلیک غلط یا پھر غیر ضروری طور پر چھیڑ دی گئی ہے، جسے حتم طریقے سے اقدامی جہاد کا عنوان دے کر قرآن کی کوئی ایسی مطلوبہ قدر بنادیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ حکومتی اقتدار کی صورت میں ظاہر ہو۔ اسی لیے اب اکثر مذہبی شدت پسندوں کی تمام تک و دو کا محوری نکتہ حصول اقتدار ہے۔

قرآن کے تصور جہاد سے قطع نظر کہ وہ اس ضمن میں مسلمان کو کیا تفصیلی ہدایات دیتا ہے ہر دست نہیں اس امر کا جائزہ لیتا ہے کہ قرآن نے غیر مذاہب کے پیروکاروں کو شروع سے ہی دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس سے از روئے حسد و بغض اور تعصب و جہالت مخالفت کا سامنا ہو اور دوسرا وہ جس کی طرف سے عملاً ادیبان کوئی معاملہ نہ رویہ ماننے آیا۔ ان میں سے پہلا حصہ کفار کہلا یا جبکہ دوسرا حصہ اسلام کے تناظر میں غیر مسلم اور خود اپنے تناظر میں بعض حالات میں مسلم کہلایا۔

قرآن مجید نے غیر مذاہب کے انہی پیروکاروں کا نہایت قطعییت کے ساتھ مثبت انداز اور امید افزا لہجے میں ذکر فرمایا ہے۔ ہر دست ہم اسی تعلق سے چند آیات بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مختصر سا مجموعہ آیات در اصل تمام مذاہب سے مکالمے کے لیے حد پر علم کلام کا ایک امید افزا عنوان ہے اور مغرب میں قرآن مجید کے مثبت تعارف کا ایک ذریعہ بھی۔ میرا یہ مضمون اس درمندانہ جذبے کا آئینہ دار ہے۔ ازراہ کرم اسے اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

(۱) لَٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نَزَّلَ إِلَيْكَ وَمَا نَزَّلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُتَّقِينَ الصَّلَاةَ وَ الْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ الْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا (۱)

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے اور ایمان والے ہیں وہ اس (وہی) پر ایمان لائے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور (خصوصیت کے ساتھ) صلوات قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں بعض یہود و نصاریٰ کو راسخون فی العلم اور مومنون کے وصف کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ کو یا انہیں اپنے مذہب کا پہلے سے سچا مومن قرار دے کر قرآن پر ایمان لانے والا بتایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر مذہب میں سچے اور اچھے لوگ ضرور ہوتے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے مومن ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو ایک لکڑی سے ہانکا خود قرآن کے خلاف ہے۔ کسی بھی مذہب کا اچھا آدمی بہر حال اچھا ہوتا ہے اور کسی بھی مسلک و نظریے کا برا آدمی بہر حال برا ہوتا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے فی زمانہ اسے سمجھنے کی شدید ضروری ہے۔

جس طرح دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بعض یہود و نصاریٰ اپنے علم میں راسخ اور مومن تھے یعنی برے مقلد کے طور پر انگوں کے پیچھے چلنے والے نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ رویے کے باعث قرآن کریم پر ایمان لانے والے تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسید بن سعید وغیرہم۔ اسی طرح زمانہ مابعد میں بھی ایسے راسخون فی العلم اور مومنوں کا وجود غیر مستبعد ہرگز نہیں۔ یقیناً آج بھی اہل کتاب میں سے جو بھی راسخون فی العلم اور مومن ہوں گے وہ ایک نہ ایک دن ضرور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں گے۔ ماضی قریب و بعید میں اہل کتاب کے متعدد اصحاب علم و فضل نے اسلام قبول کیا

ہے۔ ہورہیں یونانے، علامہ اسد، مارٹاؤیک کا کتھال جیسے بیسیوں نام ہماری تاریخ میں ہیرے کی طرح جگمگا رہے ہیں اور مستقبل قریب میں کتنے علمائے یہود و نصاریٰ مشرف پہ اسلام ہونے والے ہیں، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ واضح ہے کہ دانشمندان فی العلم سے مراد علماء اور المؤمنون سے مراد عام فہمیں ہیں اور یہ دونوں اہل کتاب سے تعلق رکھنے والے گروہ تھے۔

(۲) الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَ

مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَاُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ (۳)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی پیروی کرتے ہیں، جیسا کہ

پیروی کا حق ہے۔ یہی لوگ اس (قرآن) پر (بھی) ایمان لائیں گے

اور جو اس کا انکار کریں گے تو وہی لوگ گمراہ والے ہیں۔

بعض مترجموں نے الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ کا مصداق مسلمانوں کو قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ اگر یہ مصداق درست سمجھا جائے تو پھر اُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ کا مطلب ہوگا کہ صرف یہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآن مجید کو سمجھ کر عمل کرنے کی نیت سے پڑھنے والے ہی مؤمن ہوتے ہیں۔ اس مطلب کی رو سے مؤمن کا ایمان اس کے عمل تلاوت اور پیروی پر منحصر ہوگا۔ ہم نے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ منطقی تفسیر عثمانی کا ترجمہ بھی اس مفہوم پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

Those to whom we have given the book and they

recite observing the rights of its recitation. (۳)

اور جن لوگوں نے الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ کا مصداق صالحین اہل کتاب کو قرار دیا ہے ان کی دلیل اُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ يُؤْمِنُونَ مضارع کا صیغہ ہے جس میں ان کے ایمان لانے کی خبر دی گئی ہے اور اس طرح ان کے ایمان کو ان کی اپنی کتاب (خواہ وہ توریت ہو یا انجیل یا پھر کوئی اور) کی تلاوت کرنے پر منحصر کیا گیا ہے۔ ان دونوں مفہموں کو عثمانی نے اپنے حاشیہ میں بائیں الفاظ درج کیا ہے۔

According to a report from the blessed sahabi Ibn

Abbas(R.A), this verse was revealed on the occasion

of the arrival of forty christians from Abyssinia who had accepted Islam. But other commentators believe that "those to whom we have given The Book, are the blessed sahabah(R.A) and the book is the Holy Quran. As for reading the book "observing the rights of its recitation," it means correctly and clearly, and keeping the fear and love of Allah present in ones heart while reading and also the resolve to follow divine guidance and to obey divine commandments. The blessed second Khalifah (caliph) Umar (R.A) has said that reading the Holy Quran "observing the rights of its recitation" requires that when one comes to a description of Paradise, one should pray to Allah for granting one this abode. And when one finds a description of Hell, one should seek Aallah's protection from it. (۴)

(۳) الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ ابْنَاءَهُمْ وَ إِنْ

فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۵)

جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو

پہچانے، ان میں کا ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے باوجود اس کے کہ وہ جانتا

ہے۔

یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے، سب کو نہیں۔

اس سے یہ بات خود بخود ظاہر کہ سب اہل کتاب ایک جیسے نہ تھے، ان میں ایسے بھی تھے جو حق کو

بالکل نہیں چھپاتے تھے۔ انہی میں عبداللہ بن سلام جیسے لوگ بھی شامل تھے۔

(۴) وَالَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ

بالحق... (۶)

اور جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے بحق اتاری گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی اہل کتاب کے مثبت رویے بلکہ مومنانہ طرز عمل کا ذکر موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات کے منظر میں یہ ان اہل کتاب کے حق میں کہا گیا ہے، جو اپنی کتابوں سے اچھی طرح واقف ہونے کے سبب اس امر کے گواہ تھے کہ آنحضرت کی بعثت سراسر حق ہے کیونکہ وہ تزیل قرآن اور بعثت محمدی کی پیشگوئیاں اپنی کتابوں میں پڑھ چکے تھے اور یقیناً یہ وہی لوگ تھے جو بعد میں اسلام بھی لائے۔

(۵) وَ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنْ

الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ... (۷)

جنہیں ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی ہے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو کچھ آپ پر نازل ہوتا ہے (یعنی قرآن) ہم (یہود و نصاریٰ کی) بعض تہمتیں اس کی بعض باتوں کی منکر ہیں۔

اس میں بعض اہل کتاب کی مدح بائیں سبب فرمائی گئی ہے کہ وہ نزول قرآن پر خوش ہوتے ہیں۔ کو ان کے بعض گروہ قرآن کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں انہی اہل کتاب کی مدح کی گئی ہے جو بعد میں دولت اسلام سے بھی مشرف ہوئے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا غلام رسول سمیدی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ پر ایمان لائے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت سلمانؓ اور وہ لوگ مراد ہیں، جو نصاریٰ میں سے مسلمان ہو گئے اور وہ اسی (۸۰) سے کچھ زائد افراد تھے۔ چالیس (۴۰) شخص ہجران کے تھے، آٹھ (۸) یمن کے اور بتیس (۲۳) حبشہ کے تھے۔ یہ لوگ قرآن مجید سے خوش ہوئے کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں

نے قرآن مجید کی تصدیق کی تھی اور یہ جو فرمایا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں اس سے مراد شرکین ہیں۔ (۸)

مگر ہمارے نزدیک "مِنَ الْأَحْزَابِ" سے مراد یہود و نصاریٰ کی بعض تہمتیں ہی معلوم ہوتی ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں ہمارے مدعا پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (۶) کفر کے معنی جہاں بخل و انکار کے ہوتے ہیں وہیں حق کی مخالفت کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کی رو سے اصلی کافر وہ ہوتا ہے جو اہل حق پر ظلم کرتا ہے۔ جیسا کہ سورہ کہف میں آتا ہے:

فَلَمَّا يَدْعَا الْفَرِثَيْنِ إِنَّمَا أَنْتَ عَذَابٌ وَإِنَّمَا أَنْتَ عَذَابٌ خَسَنٌ ۖ قَالَ إِنَّمَا

مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نَّكَرًا ۖ وَإِنَّمَا

مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحَسَنُ (۹)

ہم نے کہا اے دو اترے! اچھا ہو تو سزا دو اور چاہا تو ان سے بھلائی کا معاملہ کرو اس نے کہا جو ظلم کرے ہم اسے سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹا یا جائے گا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا اور جو کوئی ایمان لایا اور اچھے اعمال کیے تو اس کے بعد بہت اچھا بدلہ ہے۔

یہاں ایسے دو گروہوں کا ذکر ہے جو انبیاء علیہم السلام کے معاملے میں ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ان کے قہقین کا ہوتا ہے اور دوسرا ان کے مکذبین و مخالفین کا۔ اسی گروہ کو اصل میں کافر کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایسے ہی لوگ اہل حق پر ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے آیت میں "إِنَّمَا مَنْ ظَلَمَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں ظلم سے مراد شرک نہیں بلکہ سرکشی اور اہل حق کی مخالفت ہے۔

اس آیت کا ترجمہ مولانا عبد الکریم اثری نے جن الفاظ میں کیا ہے وہ قابل توجہ ہے:

دو اترے میں نے کہا: ہم نے نا انصافی کرنے والے نہیں، جو سرکشی کرے۔

کا اسے ضرور سزا دیں گے۔

اور اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اور تاریخ نے اس کی وضاحت کر دی کہ اس مہم میں نہ تو اس کے ساتھ کسی نے زیادتی کی اور نہ ہی اس کی طرف سے کسی پر زیادتی کی گئی بلکہ اس اسی طرح بحال رہا جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا لیکن کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کیا ہوا۔ (۱۰)

اور عبد اللہ یوسف علی نے اپنی مختصر انگریزی تفسیر کے حاشیے میں ان آیات کے تعلق سے لکھا ہے:

He had great power and a great opportunity. He got authority over a turbulent and unruly people. Was he going to be severe with them and chastise them, or was he going to seek peace at any price, i.e., to wink at violence and injustice so long as it did protect the weak and the innocent, he punished the guilty and the headstrong, but he remembered always that the true punishment would come in the hereafter, the true and final justice before the throne of Allah. (۱۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرُسُوْلِهِ يُؤْتِكُمْ كُفْلًا مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَيُجْعَلَ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيُغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
وَإِنَّمَا يُعَلِّمُ لِقَالِ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْبَلُوْنَ عَلٰی شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مِّنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۱۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر (بھی) ایمان لاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے ایسا نور بنائے گا، جس میں تم چلو گے اور تمہیں کمالوں سے بچائے گا

اور اللہ بہت حفاظت فرمائے والا ہے، بے حد رحم فرمائے والا ہے۔ تاکہ

اہل کتاب (بالخصوص یہود) جان لیں کہ انہیں اللہ کے فضل پر کچھ

دسترس نہیں اور یہ کہ فضل، اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے عطا

کرے۔ اور اللہ بہت بڑا فضل والا ہے۔

اس مقام پر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ کے مخاطب، نصاریٰ ہیں جنکا ذکر آیت ۱۱

قبل میں فَاقْبَلُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ اَخْرَجْنَاهُمْ کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اور عبد اللہ یوسف علی کے الفاظ میں:

from the context before and after, This is hold to refer to the christians and people of the Book who kept their Faith true and undefiled. (۱۳)

اس آیت میں نصاریٰ کو بغیر اسلام پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر قرآن مجید کے الفاظ کی تفصیل کر دی جائے تو ترجمہ یا مفہوم یہ ہوگا:

اے وہ لوگو! جو مسیح پر ایمان لائے ہو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول محمدؐ پر بھی ایمان لاؤ تو خدا تمہیں اپنی رحمت سے دوبرا اجر عطا فرمائے گا۔ (ایک اجر، سیدنا مسیحؑ کو ماننے کا اور دوسرا محمدؐ کو ماننے کا)۔

اس آیت کے مطابق اچھے اور سچے عیسائیوں پر اہل ایمان کا اطلاق کر کے آج بھی انہیں دعوت ایمان بالرسولؐ پیش کی جاسکتی ہے۔ ”إِنَّمَا يُعَلِّمُ لِقَالِ الْكِتٰبِ“ سے مراد یہاں یہود کو لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہود پر بنائے حسد رسول اللہ کے مکر ہوئے تھے۔ ان کا دُعا تھا کہ وہ تنہا اللہ کے فضل کے حقدار ہیں۔ مطلب یہ کہ نبوت و رسالت ان کی نسل کے سوا کہیں اور نہیں جاسکتی۔ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ، بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے نہ کہ بنی اسرائیل میں۔ اس لیے یہود نے آپؐ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ آیت کے زیر بحث الفاظ میں تعریف اسی حقیقت کی خطاب کشائی کی گئی ہے، جسے ہم نے اپنے ترجمے کے بریکٹ میں ظاہر کیا ہے۔ سید انور علی نے اپنی تفسیر (انگریزی) میں اسی مفہوم کو نمایاں کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

In verse 29 the believers, including the righteous ones among the Nasara who accepted the faith in the Holy Prophet, are told that they should not fear for the jealousy, hatred, and opposition of the Jews because they "have no power whatever over the Grace of Allah, and that (His) Grace is (totally) in His Hand, to bestow it on whomsoever He wills, and Allah is the lord of Grace abounding (verse 29).

Although the words Ahlal Kitab (people of the book) include both the believing Christians as well as the believing Jews, yet from the context of the verse it appears that here the specific reference is to the Jews who were jealous of the Holy Prophet, and were refusing to accept his Prophethood, because, according to them the Prophet should have been from amongst the Bani Israil. It is really this claim of theirs which has been condemned in this verse, and said that "have no power whatever over the Grace of Allah," i.e., the bestowing of Prophethood, but it is totally in the hands of Allah as to whom he may or may not give the Prophethood. Since Allah the almighty had chosen the Holy Prophet, as his Prophet, the believers and the righteous among the Christians were not to be misled or deterred by the jealousy and baseless claim of the Jews. They should accept the faith in the Holy Prophet and make their lives successful in this world as well as in the

Hereafter (۱۴)

(۸) وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِلَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا... (۱۵)

اور ہم نے فرشتوں کو ہی آگ کا نگران بنایا اور ان کی تعداد کو کافروں کے لیے آزمائش بنایا تاکہ وہ لوگ یقین حاصل کریں، جنہیں کتاب دی گئی اور جو ایمان لائے۔ وہ اپنے ایمان میں مزید ترقی کریں اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک میں نہ پڑیں اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض (حسد) ہے اور کفار (دونوں) یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے کس امر کا ارادہ کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اسلامی (متوفی ۱۹۵۷ء) رقمطراز ہیں:

أُوتُوا الْكِتَابَ سے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اچھے اہل کتاب مراد ہیں، اہل کتاب میں سے جو اپنی کتابوں پر واقعی ایمان رکھتے تھے، ان کے لئے قرآن کی اس طرح کی باتوں کا مذاق اڑانے کی گنجائش نہیں تھی۔ خود ان کے صحیفوں میں اس طرح کی باتیں موجود تھیں قرآن سے ان کی تائید مل گئی، جس سے ان کا یقین محکم ہوا۔ یہی اہل کتاب ہیں جو بعد میں قرآن پر ایمان لائے۔ (۱۶)

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ اہل ایمان کے پہلو پہ پہلو اہل کتاب کا بھی ذکر آیا ہے۔۔۔ اچھے اہل کتاب مسلمانوں ہی کے حکم میں تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے ان کا ذکر اہل ایمان کے ہر اول دستے کی حیثیت سے کیا تاکہ پہلے ہی سے ان پر واضح ہو جائے

کہ اس نئی بعثت کے دور میں انہیں کیا رول ہوا کرتا ہے۔

آیات مذکورہ کی تفسیر میں اصلاحی نے جو کھسا ہے وہی ہمارا بھی مختار ہے۔ ہم اسی بات کے قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب کا ایک گروہ آج بھی اسی تفریق کا مستحق ہے، اور صحیح قیامت تک اہل کتاب میں ایسے سچے اور اچھے گروہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سب غیر مسلموں کو یکساں نہ سمجھیں۔ ان خرف ریزوں میں ایسے قیمتی جواہر بھی پوشیدہ ہیں جو اپنی قدر و قیمت میں انان بالرسول کے بعد ہم پیدا کئی مسلمانوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ (۱۷)

(۹) الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۖ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْكِتَابِ إِذَا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۚ
أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَبِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةِ وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (۱۸)

وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی، سو وہ اس کتاب پر بھی انان رکھتے ہیں اور جب اس کتاب کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر انان لائے۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو پہلے ہی اسکے ماننے والے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی پر دوسرے اجر دیا جائے گا۔ یہ نیکی سے جہی کو دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب یہ لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ پس ہمارا سلام لو۔ ہم شدت جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں سے الجھتا پسند نہیں کرتے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور رہے ہیں جن پر مومن کا اطلاق قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ امر دگر ہے کہ انہی مومنوں کو بعد میں

قرآن پر انان کی توفیق بھی نصیب ہوئی۔ جس بنابر صالحین اہل کتاب کے رویے کی تحسین کی گئی ہے۔

انہی مومنین کی زبان سے یہ حقیقت کہلوائی گئی ہے کہ وہ اہل حق کے منکروں سے دین کی مخالفت میں فضول بات کرنے والوں سے اللہ کے قانون مکافات کو بیان کر دیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں یعنی جو کچھ ہم کر رہے ہیں ہمیں اس کا نتیجہ ملے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہیں اس کا نتیجہ اور ملے گا۔ یعنی ہمارے اور تمہارے دونوں کے اعمال ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوں گے جو بلا خرف جنت اور دوزخ پر منتج ہو جائیں گے۔

عبداللہ یوسف علی نے اپنے انگریزی ترجمے کے حاشیے میں لکھا ہے۔

There were Christians and Jews who recognised that Islam was a logical and natural development of Allah's revelations as given in earlier ages, and they not only welcomed and accepted Islam, but claimed, and rightly, that they had always been Muslims. In that sense Adam, Noah, Abraham, Moses, and Jesus had all been Muslims... Their credit is twofold, in that before they knew Islam, they followed the earlier Law in truth and sincerity, and when they were offered Islam, they reality recognised and accepted it, suffered in patient preservice for its sake and, brought forth the fruits of righteousness. (۱۹)

یہ تینوں آیات اپنے منہوم و مدعا میں بالکل واضح ہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام میں نہ صرف عہد رسالت مآب میں داخل ہوئے بلکہ دافلے کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

مولانا غلام رسول سمیدی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

اس آیت (۵۳) میں جو فرمایا ہے کہ ہم پہلے ہی مسلمین تھے اس سے

اسلام کا معروف اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے۔ یعنی ہم پہلے ہی اناعت گزار اور اناعت شعار تھے۔ اسلام کا معروف اصطلاحی معنی صرف دین اسلام ہے اور صرف مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ (۲۰)

واضح ہو کہ سعیدی صاحب نے اپنے آخری تیلے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس پر علمائے اسلام کے دو کتب موجود ہیں۔ ایک کتب تو وہی، جو سعیدی صاحب نے اختیار کیا اور دوسرا کتب ان لوگوں کا ہے، جو اسلام کا اطلاق تمام آسمانی مذاہب پر یکساں کرتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو ان کے اپنے دور کا بلا تفریق مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس لئے مولانا عبدالمجید دریابادی (م ۱۹۷۷ء) نے لکھا ہے:

مسلمین کے لفظ پر حیرت نہ کی جائے۔ ہر وہ شخص جو توحید و سلسلہ وحی کا قائل ہو مسلم کہا جاسکتا ہے الاسلام صلفہ کل موحد مصلدق بالوحی (بکر) (۲۱)

مذکورہ بالا آیات سے اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کو اب پوری دنیا میں ایک نئے لہذا لنگر اور طرز عمل کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور بالخصوص تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اپنا دشمن سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ نیز اب مسلمانوں کو بہت واضح طور پر کافروں اور غیر مسلموں میں بھی فرق کرنا پڑے گا بلکہ شاید کہیں کہیں غیر مسلموں کو خود ان کے اپنے تناظر میں مسلمان بھی سمجھنا پڑے گا۔ واضح رہے کہ مثبت رویوں سے مثبت رویے جنم لیتے ہیں۔

قرآن چونکہ کسی دور کی مخصوص کتاب نہیں، یہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اس لیے اس کی تمام ہدایات اسی طرح جاری اور مؤثر رہیں گی جس طرح اپنے زمانہ نزول میں تھیں۔ مطلب یہ کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کے وقت جن غیر مذاہب کے بعض لوگوں کو اچھا اور عمدہ انسان متصور کیا ہے آج ہمیں اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنا ہے تاکہ مسلمانوں کی دنیا بھر کے تمام انسانوں کے ساتھ مثبت Co-existence ہو سکے جسکی بحیثیت مجموعی تمام انسانوں کو منت ضرورت ہے۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ البیان: ۳-۲۴
 - ۲۔ البیان: ۳-۱۳۱
 - ۳۔ The Meaning of the Noble Quran with explanatory notes volume 1
 - ۴۔ ایسا ماہیہ نمبر ۵۴ زیر آیت ۱۳۱ (البیان) دارالعلوم کراچی اشاعت دوم ۱۹۷۷ء
 - ۵۔ البیان: ۳-۱۳۱
 - ۶۔ الانعام: ۲-۱۱۳
 - ۷۔ الرعد: ۱۳-۳۶
 - ۸۔ تبيان القرآن، جلد ششم، سورہ رعد، ص ۱۰۵ ترجمہ یک انزال، ۳۸۸ اردو بازار لاہور، الطبع الاول ۲۰۰۲ء
 - ۹۔ التکفیل: ۱۸-۸۸ تا ۸۹
 - ۱۰۔ التیسرے عالمی جنگی جلد پنجم، ص ۵۶۶، ملکیہ لاہور، جناح انسٹریٹ کراچی، اشاعت اول ۱۹۶۷ء
 - ۱۱۔ سورہ کاف ماہیہ نمبر ۲۳۳، گنگ نند ہولی قرآن پرنٹنگ کمپنیز، الہ آباد لاہور، ۱۳۱۵ء
 - ۱۲۔ الطبع: ۵۷-۲۹
 - ۱۳۔ سورہ صدف، ماہیہ نمبر ۵۳۳۵، ایبنا
 - ۱۴۔ Quran- The fundamental law of Human life, vol 14 page no 932
 - انجمن ترجمہ مجددہ نائڈیشن پریس، پاکستان، اشاعت اول ۱۹۹۷ء
 - ۱۵۔ مژدہ: ۴۳-۳۱
 - ۱۶۔ مژدہ قرآن، جلد پنجم، ص ۵۷، داران نائڈیشن، غیر مژدہ لاہور، طبع دوم ۱۹۹۳ء
 - ۱۷۔ ایبنا: ص ۵۸
 - ۱۸۔ القصص: ۳۸-۵۵
 - ۱۹۔ سورہ القصص، ماہیہ نمبر ۳۳۸۵-۳۳۸۶
 - ۲۰۔ تبيان القرآن، جلد ششم، ص ۸۶۳، ترجمہ یک انزال، ۳۸۸ اردو بازار لاہور، الطبع الاول ۲۰۰۲ء
 - ۲۱۔ التیسرے عالمی جنگی جلد اول سورہ القصص، ماہیہ نمبر ۵۳۳۵، تان کینی لیٹر، سڈ اشاعت ورنی نہیں
- سید انور علی نے اپنی انگریزی تفسیر میں کلمہ مسلم کے عمومی استعمال پر مفصل مدلل حکم کیا ہے۔
- ملاحظہ کیجئے: Quran- the fundamental Law of Human life, vol no . 10, page 445-448

opposing circumstances. A responsive reaction to these circumstances is something which differentiates a Mo'min from a non-believer and that is how it should be. The triad of Muslim belief is on almighty Allah (swt), on hereafter and on a fate, predestined by Allah (swt), however a non-believer is deprived of such blessings. The belief in Allah (swt) and the predestined fate brings an inner peace and solace to a Muslim, since Eemaan, the Arabic equivalent of belief means to give Aman (which means peace in Arabic). A Mo'min neither goes into a continuous state of melancholia or apathy, nor is he overrun by an utter dejection, which may lead him to a state of everlasting despair. How a Mo'min should carry himself in situations of worldly mishaps? Qur'aan and books of Ahadith give us an in-depth guidance in this regard. In the following article this guidance vis-à-vis Ayaat 22 to 24 of Surah AlHadeed and few Ahaadith is submitted.

حیات دنیوی کے دوران ہر انسان کو مختلف حوادث اور بہ لے ہوئے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ تکلیف دہ واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں اور مسرت بخش لحظات بھی آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تین عالم بنائے ہیں۔ ایک یہ دنیا کا عالم ہے، دوسرا عالم جنت ہے اور تیسرا عالم جہنم۔ جنت ایسا عالم ہے جہاں راحتیں ہی راحتیں ہیں۔ جہنم ایسا عالم ہے کہ جہاں پر تکالیف ہی تکالیف ہیں۔ عالم دنیا میں راحتیں بھی ہیں اور تکالیف بھی۔ دونوں چیزیں ساتھ

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی، جلد ۶، شمارہ ۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

حیات دنیا کے حوادث اور مؤمنانہ طرز عمل (سورۃ الحدید آیات ۲۲ تا ۲۴ کی روشنی میں) انجمن نوبہ احمد

Abstract

Demeanor of a Mo'min During Incidents of
Worldly Life (v11-4-v11 Surah AlHadeed Ayaat 22 to 24)

Every person goes through various incidents and ever-changing situations in worldly life. There are occurrences of mishaps or blissful events. Allah (swt) has created three dimensions, the first one is our worldly dimension, the second is a heavenly dimension and the third one is a dimension of Hell. Heaven is an abode of eternal comfort, contrary to Hell which is a place of eternal sufferings. The worldly dimension is a mix of bliss and miseries and they are in parallel to each other. At times a Mo'min and a non-believer can take the rap of these two

ساتھ چلتی ہیں۔ تکلیف یا راحت مسلمان کو بھی پہنچتی ہے اور کافر کو بھی۔ البتہ اس حوالے سے ایک مسلمان اور ایک کافر کے رزق میں فرق ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ مسلمان اللہ عزت اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہے جبکہ کافر اس نعمت سے محروم ہے۔ حیات دنیا کے حوادث پر مؤمنانہ طرز عمل کے حوالے سے سورۃ الحديد کی آیات ۲۲ تا ۲۴ میں ایمان افروز رہنمائی دی گئی ہے۔ آیت ۲۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾

”نہیں پڑتی کوئی آفت زمین پر اور نہ ہی خود تم پر مگر ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے ظاہر کریں۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔“

اس آیت میں حوادث کے لیے لفظ ”مصیبت“ آیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں وارد ہونے والی شے خواہ وہ خوشگوار ہو یا تکلیف دہ۔ عام طور پر تکلیف دہ معاملہ کا انسان زیادہ متاثر لیتا ہے لہذا ”مصیبت“ کا لفظ اکثر صرف اسی صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خوشگوار یا تکلیف دہ حوادث زمین پر بھی وارد ہوتے ہیں اور کسی انسان پر بھی۔ زمین پر اس کی صورت باران رحمت، فرحت بخش ہواؤں اور تھیں فصلوں یا ڈھلے ٹوٹاؤں یا روشوں، ژالہ باری، سیلاب، سمندری طوفان، تیز ہواؤں، خراب فصلوں وغیرہ کی ہوتی ہے۔ انسان پر اس کا ورود کامیابیوں یا ناکامیوں، مال و جان کے نقصان اور بیماریوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس آیت میں رہنمائی عطا کی گئی ہے کہ:

(۱) زمین اور انسانوں پر وارد ہونے والے حوادث اللہ کے حکم سے وارد ہوتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق اور اس میں جاری مختلف معاملات کسی اللہ سے بہرے ماذہ کی کار فرمائی نہیں ہیں۔ ایک حکیم و دانہ ہستی اس کائنات کی خالق ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے اذن سے ہو رہا ہے۔ دنیا میں نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ جب تک اللہ کا اذن نہ ہو۔ تردی میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تاکید فرمائی:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا سْتَعْتَبْتَ فَسْتَعْتَبِ بِاللَّهِ)) وَأَعْلَمُ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ

اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَفْلاَمُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ)) (۱)

”جب تو سوال کر تو صرف اللہ سے سوال کر جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یہ بات جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا اور اگر وہ جمع ہو کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا۔ گم اٹھائے جا چکے ہیں اور سمجھنے خشک ہو چکے ہیں۔“

برواتعہ کے پیچھے بظاہر کچھ اسباب نظر آتے ہیں لیکن اسباب کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہے۔ جو بھی حالات وارد ہو رہے ہیں اُن میں بظاہر کوئی بھلائی یا برائی اپنے لیے نہا رہا ہے لیکن ان کے پیچھے اصل حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے۔ ممکن ہے کہ کسی ڈاکٹر نے غلط انجکشن لگا دیا ہو ممکن ہے کہ کسی نے وار کیا ہو اور انسان اُس وار سے ہلاک ہو گیا، لیکن یہ سب کا سب ہو نہیں سکتا تھا جب تک اللہ تعالیٰ کا اذن نہ ہو۔ موت کا وقت اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے۔ جب تک موت کا وقت نہ آئے انسان مر نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ کا بڑا حکیمانہ قول ہے:

الْمَوْتُ خَيْرٌ مِنَ الْحَافِظَةِ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ مِنَ الْوَاعِظَةِ

”موت بہترین محافظ ہے اور موت ہی بہترین واعظ ہے۔“

موت محافظ اس معنی میں ہے کہ اس کا وقت طے ہے لہذا جب تک اس کا وقت نہیں آتا کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ موت بہترین واعظ ہے یعنی اگر انسان کو موت یا درجے تو پھر اُس کی زندگی کا رُخ صحیح ہو جاتا ہے۔

(۲) جو واقعات بھی ظہور پذیر ہو رہے ہیں وہ پہلے سے ایک کتاب یعنی کتاب تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہ معاملہ مشکل نظر آتا ہے لیکن واضح کیا گیا کہ: ﴿إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ ”بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“ اگر اللہ کی ذات و صفات کی بے حد و حساب

وسعت سامنے ہو تو اس حوالے سے کوئی تعجب نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دو حقائق سامنے ہوں تو اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوتا ہے وہ آیت ۲۳ میں بیان ہوا :

﴿لَكَيْلًا تَلْسَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُكِلَّ

فَخَوِرَ ۝﴾

”تا کہ تم افسوس نہ کرو اس پر جو شے تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اتر اس

پر جو تم کو وہ (اللہ) عطا کرے۔ اور اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ بچھنے والے اور بڑائی

کرنے والے کو۔“

مسلمان جب اس حقیقت پر غور کرتا ہے کہ ہر معاملہ اللہ ہی کے حکم سے ظہور پذیر ہوا اور کتاب تقدیر میں وہ پہلے ہی سے درج تھا تو اب نہ وہ ناخوشگوار حالات پر شدت غم سے مبرا حال ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کامیابی پر اترتا اور کڑتا ہے۔ اس کی وجہ مذکورہ بالا دو نکات کے حسب ذیل مضمرات ہیں :

(۱) عام آدمی کو اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اسے کسی دیوتا کی ناراضگی یا اسباب کے مخالف ہونے کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اگر اسے کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو اسے کسی دیوتا کی نظر کرم یا اسباب کے موافق ہونے کا شرعہ قرار دیتا ہے۔ کسی بھی واقعہ کے ظہور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ ہدایت کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ وَالْفَلَسُ خَيْرٌهُ وَشَرُّهُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ کے مطابق ہر نعمت اللہ دیتا ہے اور تکلیف بھی وہی دیتا ہے۔ خیر ہوا یا شر ناخوشگوار حالات ہوں یا ناگوار جو بھی ہے اسے اللہ ہی دیتا ہے۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوا لہذا نقصان کی صورت میں اسباب کے خلاف بچنا واجب اور انتقام کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی خیر ملی ہے تو وہ اللہ کا فضل ہے نہ کہ انسان کا اپنا کمال۔ لہذا انسان میں نہ تکبر کا احساس پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اترتا اور اپنی بڑائی کرتا ہے۔

(۲) اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے تمام معاملات پہلے ہی سے طے شدہ اور علم خداوندی میں موجود ہیں۔ لہذا یہاں کوئی واقعہ ممکن ہے ہمارے لیے حادث ہو اور حقیقت حادثہ نہیں

ہے۔ کوئی بات اُٹھتی نہیں ہے۔ جو تکلیف آتی ہے وہ اپنے طے شدہ وقت پر آتی ہی تھی اور تقدیر میں لکھا کوئی نہیں مال سکتا۔

(۳) اللہ کے ہر فیصلے میں ضرور کوئی خیر پوشیدہ ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا گیا:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ مُؤْتِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

تَشَاءُ لَا تَعُودُ مَنْ تَشَاءُ وَتُدْخِلُ مَنْ تَشَاءُ ط بِبَيْدِكَ الْخَيْرُ ط إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

”کیونکہ اے اللہ! (اب) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور

جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے

ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے

۔“

ہم اپنے ناقص علم کی وجہ سے اللہ کے فیصلے کے خیر کے پہلو کو سمجھ نہیں سکتے لیکن اللہ کے فیصلے میں ضرور ہماری بہتری ہوتی ہے۔ ارشاد الہی ہے :

﴿يُحِبُّ عَلَيْكُمُ الْقِتَالَ وَهُوَ كُرَّةُ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكُونُوا شِغَاً وَهُوَ خَيْرٌ

لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَاجِبُوا شِغَاً وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُونَ ۝﴾ (البقرة)

”تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو ممکن ہے

تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی شے کو

پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

سورۃ التوبہ میں منافقین کو اہل ایمان کی طرف سے آگاہ کیا گیا :

﴿قُلْ لَنْ يُبَيِّنَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُونَ ۚ قُلْ هَلْ تَرْتَضُونَ بِنَا إِلَّا إِخْدَى الْحُسْنَىٰ ۖ وَنَحْنُ نَرْضَىٰ

يَكُنْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ عَذَابٍ أَوْ يَذِلَّنَا فَإِنْ يُضْضُوا إِلَيْنَا مَعَكُمْ

مُتَرَبِّضُونَ ﴿٣٨﴾

” (اے نبی!) کہہ دیجئے ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ کہہ دیجئے کہ تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی اور ہم تمہارے حق میں منتظر ہیں کہ بھیجے اللہ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ ہے: ((عَجِبًا لَا مَرِ الْمُؤْمِنِ أَنْ مَرَّةً تَحُلُّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) (۲)

”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اُس کے ہر معاملے میں خیر ہے اور یہ چیز مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اُسے نعمت ملے وہ شکر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے اور اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے وہ صبر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہماری مصیحتوں کا ہم سے بہتر جاننے والا ہے۔ بقول شاعر:

کار ساز ما بھر کار ما

لگر ما در کار ما آزر ما

”ہمارا کارساز ہمارے مسائل کے حل کا دہیان رکھتا ہے۔ ہمارا آزر خود اپنے مسائل کے حل کے بارے میں منتظر ہونا ہمیں پریشان کر دیتا ہے۔“

ہمیں اس دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اگر ہم نے اُس پر صبر کیا تو وہ روز قیامت ہمارے گناہوں کا کفارہ اور ہمارے حق میں پاموسی اجر و ثواب ہوگی۔ ارشاد استنبویؒ ہیں:

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُصَبِّحْ مِنْهُ)) (۳)

”جس بندے کے بارے میں اللہ خیر کا فیصلہ فرماتا ہے اُسے مسیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔“

((إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۴)

”جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کو (اُس کے گناہوں کی سزا) جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اور آزمائشوں کے ذریعے سے اُس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے) اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے اُس کے گناہ کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت والے دن اُس کو پوری سزا دے گا۔“

نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

((إِنَّ عَظِيمَ الْجَزَاءِ مَعَ عَظِيمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ دَرَسَنِي فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ)) (۵)

”آزمائش جتنی عظیم ہوگی بدلہ بھی اسی قدر عظیم ہوگا اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اُس کو آزمائش سے دوچار فرما دیتا ہے پس جو (اُس سے) راضی ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) رضا ہے اور جو (اُس کو آزمائش کی وجہ سے اللہ سے) ناراض ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) ناراضی ہے۔“

((يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: مَا لِعِبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّتَهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ اخْتَصَيْتُهُ إِلَّا الْجَنَّةَ)) (۶)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں جب اپنے مومن بندے کے اہل دنیا میں سے کسی پیارے کو واپس لے لیتا ہوں لیکن وہ اُس پر ثواب کی نیت (سے صبر و رضا کا مظاہرہ) کرتا ہے تو اُس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔“

((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا أَدَى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشُّوْكَةِ يُشَاكِكْهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطِيئَةٍ)) (۷)

”مسلمان کو جو بھی ٹٹان یا باری لگے اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبوتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔“

((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَنَازِلَةٌ لَمْ يَنْفَعْهَا بِعَمَلِهِ لَيْتَلَاهُ اللَّهُ فِي جَسَدِهِ أَوْ فِي مَالِهِ أَوْ فِي وَلَدِهِ — قَالَ أَبُو دَاوُدَ زَادَ ابْنُ نَظِيلٍ لَمْ يَنْفَعْهُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ تَفَقَّاهَا — حَتَّى يَنْفَعَهُ الْمَنَازِلَةُ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى)) (۸)

”کسی بندہ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام ملے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل (مجاہدہ) سے نہیں پاسکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا بولاد کی طرف سے کسی صدمہ یا پریشانی (غیر اختیاری مجاہدہ) میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اُس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے یہاں تک کہ اُسے اُس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اُس کے لیے پہلے سے ملے ہو چکا ہوتا ہے۔“

سورہ کہف میں ایک قصہ کے ذریعہ واضح کیا گیا کہ واقعات کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے لیکن اُن کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اس قصہ میں تین واقعات ایسے آئے ہیں کہ جن کا ظاہر شر محسوس ہو رہا تھا لیکن اُن کی حقیقت خیر تھی۔ حضرت موسیٰ د حضرت خضر د کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر پھینک دیا۔ بظاہر یہ کام غلط تھا لیکن حضرت خضر نے وضاحت کی کہ ایک بادشاہ صحیح عالم کشتیوں کو غصب کرتا رہا تھا۔ اگر یہ کشتی سالم ہوتی تو بادشاہ جھین لیتا۔ کو یا ایک تختہ ضائع ہو گیا لیکن پوری کشتی بچ گئی۔ اس کے بعد ایک بچہ کو حضرت خضر نے قتل کر دیا۔ بظاہر یہ قتل ناحق تھا لیکن حضرت خضر نے بتایا کہ اس بچے نے بڑے ہو کر اپنے والدین کے لیے وبال جان بنا تھا۔ وہ اپنا بھی نامہ اعمال سیاہ کرتا اور والدین کو بھی پریشان کرتا۔ اللہ تعالیٰ والدین کو اس سے بہتر بچہ عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں نے ان مسافروں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ حضرت خضر نے بستی میں ایک ایسی دیوار تعمیر کر دی جو بالکل گرنے والی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا کہ آپ نے بغیر معاوضے کے بخیل بستی والوں کا یہ کام کر دیا۔ حضرت خضر نے وضاحت کی کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کی وراثت ایک خزانہ کی صورت میں دفن ہے۔ اگر دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ بخیل بستی والوں کے ہاتھ میں آ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ دیوار تعمیر کرا دی تاکہ حق داروں کو اُن کا حق مل جائے۔ آخر میں حضرت خضر نے فرمایا کہ میں نے سب کچھ اللہ کے حکم سے کیا اور یہ سب اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں۔

۴) اس دنیا کی ہر راحت یا تکلیف ماضی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ط وَالْجَزَيْنِ الْبَيْنِ صَبِرُواْ أَخْرَجْهُمْ

بِأَخْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (النحل)

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے والا ہے (یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا)۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو اُن کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔“

اگر کوئی شے ہم سے چھین گئی ہے تو اُس نے ایک روز فنا ہونا ہی تھا۔ دنیوی زندگی تو ہے ہی بڑی محدود۔ اصل زندگی تو ہے ہی آخرت کی۔ انسان کی تمنا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ ہمیں آخرت کی نعمتیں عطا فرما۔ ہمیں اپنے مرنے والے عزیزوں کا جنت میں ساتھ عطا فرما۔ جنت کا ساتھ کبھی ختم ہونے والا نہیں اور دنیا کا ساتھ تو لازمی ختم ہوگا۔ آج اگر ہمارے کسی عزیز کا انتقال ہوا ہے تو اُس نے ایک روز مرنا ہی تھا اور ہمیں بھی کسی روز یہاں سے رخصت ہونا ہی ہے۔ اسی لیے مسیت پر یہ کلمات پڑھنا مستحسن ہے کہ: **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے)۔

ایک بادشاہ نے شاہدار محل بنوایا اور ایک درویش کو اُس محل کے نگارہ کی دعوت دی۔ درویش نے تبصرہ کیا کہ اگر کسی طرح دو باتوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر یہ محل بہت ہی عمدہ ہے۔ پہلی یہ کہ محل کے بارے میں عنایت مل جائے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسری یہ کہ بادشاہ

سلامت بھی ہمیشہ اس محل میں رہ سکیں گے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ محل نہیں رہے گا اور بادشاہ سلامت دنیا سے چلے جائیں گے اور یا بادشاہ سلامت کے سامنے کوئی آفت اس محل کو برباد کر دے گی۔

۵) اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی میں عطا ہی اس لیے کی ہے کہ وہ ہمارا امتحان لے۔
از روئے الفاظ قرآنی:

﴿يَخْلُقُ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْحٰكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾ (النمل: ۲)

”اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے۔“

علامہ اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

تلموم ہستی سے تو ابھرا ہے بلند حجاب

اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی!

اس دنیا میں انسان پر جو اچھے یا برے حالات آتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک امتحان و آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَبْلُوَكُمْ بِالْشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَيَاٰنَا نُرْجِعُوْنَ﴾ (الانبیاء)

”اور ہم تمہیں آزماتے ہیں شر اور خیر سے جو آزمائش کی صورتیں ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔“

اس حقیقت کو بڑے مؤثر اسلوب میں بیان کیا گیا سورۃ النجر کی آیات ۱۵ اور ۱۶ میں:

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْنَلْنٰهُ رَهَةً فَكَرِهْنٰهُ وَنَعْمَةٌ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَكْرَمْنِ. وَاَمَّا اِذَا مَا ابْنَلْنٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَهِانْنِ﴾

”پس انسان (کا معاملہ عجیب ہے کہ) جب اُس کا پروردگار اُس کو آزماتا ہے تو اُسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اُس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو یہ کہتا

ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔“

درحقیقت دنیوی زندگی میں نہ تو خوشحالی عزت کی علامت ہے اور نہ ہی تنگدستی ذلت کا مظہر۔ یہ دونوں صورتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں۔ اللہ ہر پہلو سے انسان کو جانچتا ہے۔ کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی جھین کر۔ ایک شکر کا امتحان ہے اور دوسرا صبر کا۔ کبھی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا نہیں۔ کہیں عیش میں اللہ کو بھول تو نہیں جاتا۔ بقول شاعر:

غفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یا ر خدا نہ رہی جسے عیش میں خوف خدا نہ رہا!

کبھی اللہ تعالیٰ تکلیف دیتا ہے یہ جانچنے کے لیے کہ بندہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ قرآن حکیم میں بار بار نیک بندوں کی صفات آئی ہیں سنہار اور شکور۔ نعمتوں کے ملنے پر عیش شکر کرنا چاہیے اور تکلیف آنے پر صبر۔ مصائب پر شور و دواہلا کرنے، مرثیہ پڑھنے اور اللہ سے شکوہ یا شکایت کرنے سے مرنے والے واپس نہیں آتے اور نعمات کی تلافی نہیں ہوتی، لیکن ہم اگر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بعض خواہیں علم کے موقع پر اس انداز سے مرنے والے کی باتیں یا دلاتی ہیں یا نوحہ پر جھتی ہیں کہ اس سے صدمہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ عمل اللہ کو پسند نہیں کیونکہ ایسا کرنا اللہ کے فیصلے پر عدم اطمینان کا اظہار ہے۔ اس حوالے سے حضرت ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں:

اِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَرِيْ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّافِقَةِ (۹)

”جے شب اللہ کے رسول ﷺ اُس صورت سے بیزار ہیں جو نوحہ کرنے والی“

(مسببت کی وجہ سے) سر منڈانے والی اور گرہ بان چاک کرنے والی ہو۔“

﴿النَّالِحَةُ اِذَا لَمْ تَنْبَغِ قَبْلَ مَوْتِهَا تَقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا يَسْرَبُ مِنْ قَطْرِ اِنٍ وَذُرْعٌ مِّنْ جَوَابٍ﴾ (۱۰)

”میں کرنے والی صورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اُسے قیامت کے دن

اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اُس پر تار کول کا کرتہ اور غار کی زرہ ہوگی۔“

((اِنَّتَانِ فِي النَّاسِ هَمًا بِهِمْ كُفَرًا: الطُّغْنُ فِي النَّسَبِ وَالْبِخَاعَةُ عَلَى الْمَيْتِ)) (۱۱)

”دو چیزیں لوگوں میں ایسی ہیں جو ان کے حق میں کفر ہیں۔ نسب میں طعن اور میت پر بین کرنا۔“

((اَلَيْسَ مِنَّا مَنْ صَرَبَ الْخُلُودَ وَ شَقَّ الْخِيَوبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) (۱۲)

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخساروں کو بٹا اور گریبانوں کو چاک کیا اور جاہلیت کے بول بولے (یعنی یمن کیا)۔“

((عَنْ اُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ: اخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَنْ لَا نَتَوَخَّحَ)) (۱۳)

حضرت اُم عطیہ کا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت ہم سے یہ عہد لیا کہ ہم یمن نہیں کریں گی۔“

عَنْ اَسِيدِ بْنِ اَبِي اَسِيدٍ عَنْ اَمْرَاةٍ مِنَ الْمَذَاهِبِ قَالَتْ: ((كَانَ فِيمَا اخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَعْرُوفِ الَّذِي اخَذَ عَلَيْنَا اَنْ لَا نَعْصِيَهُ فِيهِ اَنْ لَا نَخْمَشَ وَجْهًا وَلَا نَدْعُوَ وَلَا نَلْزُقَ وَلَا نَشُقَّ جَنِيًّا وَاَنْ لَا نَشْفُرَ شَعْرًا)) (۱۴)

”حضرت اسید بن ابی اسید اُس عورت سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں سے تھی۔ اُس نے بیان کیا کہ وہ بھائی کے کام جن کے کرنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا اُن میں یہ عہد بھی تھا کہ ہم اللہ کی نافرمانی نہ کریں چہرہ نہ نوچیں ہلاکت کی بددعا نہ کریں اگر بیان چاک نہ کریں اور بال نہ بکھیریں۔“

بحر اسل مبروہ ہے جو فوری طور پر کیا جائے ورنہ ٹھکو۔ شکایات کرنے کے بعد مبروہ کرنا

یہ پڑتا ہے اور اُس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ بیان ہوا :

مَنْ النَّبِيُّ ﷺ بِأَمْرَاةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرِ فَقَالَ: ((اَتَقْبِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي)) قَالَتْ:

اَلَيْكَ عَنِّي فَاِنَّكَ لَمْ تَصُبْ بِمُصِيبَتِي ' وَلَمْ تَعْرِفْهُ ' فَقِيلَ لَهَا فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَاتَتْ بَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ فَقَالَتْ: لَمْ اَعْرِفْكَ ' فَقَالَ: ((اَلَمَّْا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّلَاةِ الْاَوَّلَى)) (۱۵)

”نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ نے اُس سے فرمایا: ”اللہ سے ڈر اور مبرا کر۔“ اُس نے کہا: مجھ سے دور ہو جا! تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا (اس لیے فرط غم میں اُس نے ناز یا لہذا از اختیار کیا)۔ بعد میں اُسے بتلایا گیا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے۔ چنانچہ (یہ سن کر) وہ آپ کے دروازے پر آئی وہاں دربانوں کو نہیں پایا (اگر) اُس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپ نے (اُسے پھر وعظ کرتے ہوئے) فرمایا: ”مبرا تو یہی ہے کہ صدمے کے آثار میں کیا جائے (بعد میں تو مبرا ہی جاتا ہے)۔“

۶) آخرت میں جواب دہی کے حوالے سے مبرا کا امتحان فکر کے امتحان کے مقابلہ میں آسان ہے۔ وہ آزمائش نسبتاً آسان ہے جس میں اللہ نے کچھ چین کر آزمایا ہو بھائے اس کے کہ اللہ نے کچھ دے کر امتحان لیا ہو۔ روز قیامت جَلْمُ لِقْسَمَتَيْنِ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ کے مطابق ایک ایک نعمت کے حوالے سے جواب دہی کرنی ہوگی۔ زندگی مال اور بولاد کے حوالے سے باز پرس ہوگی۔ اس دنیا میں ان نعمتوں کی جتنی فروانی ہوگی اتنا ہی حساب دینا یعنی account for کرنا بھاری ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر انسان کے پاس دنیوی نعمتیں کم ہیں تو انسان کے لیے جواب دہی کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں :

((اطْلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَوَيْتُ اَكْثَرَ اَعْلِيهَا الْفُقَرَاءُ وَاطْلَعْتُ فِي النَّارِ فَوَيْتُ اَكْثَرَ اَعْلِيهَا النَّسَاءُ)) (۱۶)

”میں نے جنت میں دیکھا تو اُس میں اکثر قعد اور فقراء کی تھی اور جہنم میں دیکھا تو اُس میں اکثر قعد اور عورتوں کی تھی۔“

((يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخُمْسِ مِقْدَارِ غَنَمٍ.....)) (۱۷)

”فقراء جنت میں الداروں سے پانچ سو برس قبل داخل ہوں گے۔“

((يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرُصَاتٍ فِي الدُّنْيَا بِالمَقَارِضِ)) (۱۸)

”قیامت کے دن جب اُن بندوں کو جو دنیا میں جلائے مصائب رہے ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام اور چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قیچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔“

مہر کی آزمائش کے نسبتاً آسان ہونے کے حوالے سے امام احمد بن حنبل m کا واقعہ ہے کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں اُن پر تشدد ہو رہا تھا اور پیٹھ پر کوڑے برس رہے تھے ایسے کوڑے کہ اگر ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی ہلکا ہوتا لیکن آپ نے اس پر نہ اُف کی اور نہ آنسو بہائے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سنے غلیف نے صفائی کے لیے آپ کے گھر پر اشرافیوں کا بھرا ہوا تھیلا بھیجا تو آپ رونے لگے اور فرمایا: اے اللہ! اس آزمائش کا اہل نہیں ہوں یہ زیادہ بڑی آزمائش ہے اس میں کامیاب ہونا زیادہ مشکل ہے۔

البتہ اس کا ہرگز یہ منہوم نہیں ہے کہ ہم دعا کریں کہ اے اللہ ہمیں بھی مہر کے امتحان میں ڈال دے۔ ایسی آرزو کرنا اپنے آپ کو بہادر ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مشکل آجائے اور ہم مہر نہ کر سکیں۔ اللہ سے ہمیشہ حانیت ہی مانگنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی تکلیف آہی جائے کوئی صدمہ پہنچ ہی جائے یا کوئی نقصان ہو ہی جائے تو آدمی اُس پر یہ سوچ کر مہر کر لے کہ اس امتحان کا اجر اللہ کے ہاں زیادہ ہے اگر میں اس پر مہر کر لوں اور اللہ سے کوئی ٹھکروہ شکایت نہ کروں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الضُّبْرَ فَقَالَ ﷺ: ((قَدْ سَأَلْتَ الْبَلَاءَ فَسَلِ اللّٰهَ الْعَاقِبَةَ)) (۱۹)

”حضرت نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک شخص پر سے ہوا جو دعا کر رہے تھے: اے اللہ! مجھے مہر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے اللہ سے آزمائش مانگی ہے پس اللہ سے جانیت کا سوال کرو۔“

مستون دعا ہے: ((اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمَغْفَاةَ وَحَسَنَ الْبَقِيَّةِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

”اے اللہ! میں آپ سے دنیا اور آخرت کے لیے سوال کرتا ہوں بخشش، تندرستی، لوگوں کے شرور سے حفاظت اور عمدہ بقیہ کا۔“

﴿لَكَيْلًا تَتَصَوَّرُوا عَلَىٰ مَا فَلَاحَكُمْ﴾ (تاکرتم افسوس نہ کرو افس پر جو شے تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے) کے الفاظ درمیان میں رہے ہیں کہ مذکورہ بالا حقائق کا ادراک ہو تو انسان کسی مزید کے انتقال، کسی مالی نقصان اور کسی موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کا ایسا ساثر نہیں لیتا کہ اپنے بال نوچے گر بیان پھاڑے۔ سر دیوار سے ٹکرائے سر پر خاک ڈالے نوبت یا مریے پڑھے اللہ سے شکوے کرے۔ یا زمانے کو مورد الزام ٹھہرائے کہ:

ہاں اے ملک جبر جوں تھا ابھی عارف

کیا تیرا گہرنا جو نہ مرنا کوئی دن اور؟

مذکورہ بالا حقائق کا شعور بندہ مومن میں تسلیم و رضا کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک عام انسان کی نگاہ صرف اسباب پر ہوتی ہے اور وہ اچھے یا برے حالات کا بہت زیادہ ساثر لیتا ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

((وَإِذَا الْعَمْسَةُ عَلَى الْإِنْسَانِ اقْرَضَ وَتَا بِجَالِبِهِ تَ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَتُوسَّسُ)) (بنی اسرائیل)

”اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو اعراض کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔“

((إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۖ)) (المعارج)